پنجاب مسلم لیگ کا تحریک پاکستان میں کردار

ڈاکٹر فرح گل بقائی*

Abstract

For the success of any movement, it is necessary that it should have a political party and proletariat are following it in large number. The political scenario of Punjab from 1907 to 1937 depicts that Punjab Muslim League stood no ground of any significance in the Province. From 1922 to 1947, Unionist Party holds the sway in the Punjab politics. In the election of 1945-46, Muslim League gained significance, only when considerable number of Unionist Muslim members deceived Unionist Party and joined Punjab Muslim League.

That was the water-shed period of the Punjab politics. The argument remains why they left Unionist Party. What changes have occurred that they changed their loyalties from one strong party to another party that was comparatively not strong? The communal factor cannot be underestimated. The Second World War factor and obvious changes that were indicated during war by British authorities need to be taken into consideration. Politics is a game of change, it moves with developments that occur around us.

A politician's main objective is to guide his followers to safe shores with minimum harms. He must have the quality to foresee coming challenges, and prepare his/her followers before hand. The impact of pacts, economic changes, skirmishes and war, influences of world powers in certain areas determine future of nations. The people who have to survive in this unjust world have to be at their vigilance.

---

* سینئر ریسرچ فیلو، قومی ادارہ برائے تحقیقِ تاریخ و ثقافت، قائد اعظم یونیورسٹی، اسلام آباد۔

Therefore, they and their protégée may survive with honour and dignity. After Second World War, number of changes occured in the world map, new states emerged and one of them was Pakistan. The Muslims of India desired to be free from the hegemony of Hindus, and Quaid-i-Azam Muhammad Ali Jinnah guided Muslims of India to their desired homeland.

پنجاب میں مسلمانوں کا حال زار

اس مقالے کا مقصد تحریکِ پاکستان کے تناظر میں پنجاب مسلم لیگ کی کارکردگی کا جائزہ لینا ہے۔ پنجاب کو قائداعظم نے پاکستان کا بنیادی جزٔ قرار دیا تھا اور ۱۹۴۷ء تک یہاں یونینسٹ پارٹی کی حکومت تھی۔ یونینسٹ پارٹی پنجاب میں سکھ اکالی، ہندو تاجر کمیونٹی اور مسلمانوں کے جاگیردار طبقات کی نمائندہ جماعت تھی۔ پھر مسلم لیگ نے کس طرح ایک مختصر وقت میں پنجاب کو پاکستان میں شامل کیا۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے اُن تمام عوامل کا جائزہ لینا ضروری ہے جو اُس وقت ظہور پذیر ہو رہے تھے۔ اس تحریک میں کس نے کیا کردار ادا کیا اس کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سیاست کے کھلاڑی، طالبعلم، خواتین، علماء، صحافی نے کس طرح تمام مخالفت کے باوجود استعماری قوتوں کا مقابلہ کیا اور پنجاب تمام تر تخریبی کاروائیوں سے مقابلہ کرتے ہوئے پاکستان کا حصہ بنا۔

پنجاب......پانچ دریاؤں کی سرزمین۔ اس نام کا اطلاق برصغیر پاک و ہند کے اس علاقے پر ہوتا ہے جو دریائے ستلج، بیاس، راوی، چناب، جہلم اور سندھ کے درمیان واقع ہے۔ اس کی حدود مختلف زمانوں میں مختلف رہی ہیں۔ آج کل اس کا مغربی حصہ مغربی پاکستان کے موجودہ صوبہ پنجاب پر مشتمل ہے اور مشرقی حصہ بھارت کے تین صوبوں ہماچل پردیش، پنجابی صوبہ اور صوبہ ہریانہ میں منقسم ہوچکا ہے۔[۱]

انگریزوں کی آمد سے پہلے سکھوں نے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ انہیں اذان دینے اور با جماعت نماز ادا کرنے کی بھی اجازت نہیں تھی اور ان کی مسجدیں اصطبل اور بارود خانے بنا دی گئیں۔ تاہم انگریزی عملداری قائم ہونے کے بعد بھی بڑے

عرصے تک مسلمانوں کی حالت سدھر نہ سکی۔ قبائلی علاقوں میں مجاہدین کی سرگرمیوں کے باعث انگریز ان سے سخت بدگمان تھے۔ چنانچہ مدت تک ان پر سرکاری ملازمت کے دروازے بند رہے۔تعلیم و تدریس کے میدان سے بھی انہیں بے دخل کر دیا گیا۔تجارت اور صنعت پہلے ہی ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی۔ بہت سارے زراعت پیشہ مسلمان ہندو مہاجنوں کے قرض میں بندھے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثریت میں ہونے کے باوجود وہ زندگی کے کسی شعبے میں بھی اپنی آواز بلند نہ کر سکتے تھے۔ ۱۸۹۸ء میں پنجاب میں مجلس قانون ساز، ۱۹۰۹ء میں جداگانہ انتخابات کا طریق رائج ہوا۔ تو بھی کچھ زیادہ فرق نہ پڑا کیونکہ خالص مسلمان نشستیں اقلیت میں تھیں اور کسی ہندو یا مخلوط حلقے سے کسی مسلمان کا منتخب ہونا ناممکن تھا۔ دراصل ہندوؤں اور سکھوں کا مسلمانوں کے خلاف ایک خاموش سمجھوتہ ہو چکا تھا۔ جس کی رو سے وہ کسی نمائندہ ادارے میں مسلمانوں کی اکثریت قائم نہیں ہونے دیتے تھے۔[۲]

پنجاب مسلم لیگ کی شاخ کا قیام

انڈین نیشنل کانگریس کی تشکیل ۲۸ دسمبر ۱۸۸۵ء کو ہوئی۔ اس کا مقصد ایک ایسی سیاسی جماعت کو سامنے لانا تھا جس کا مقصد قومی وحدت کے لیے ایک لائحہ عمل تیار کرنا تھا۔ جس کے تحت ایسی کوششیں جاری رکھنا تھیں کہ اس قومی وحدت کی وساطت سے مجلسِ قانون ساز بنائی جائے جو آئینی حکومت کے لیے راہ ہموار کرے۔ مسلمانوں نے جب اس جماعت میں شمولیت کی اور غور سے اس کا مطالعہ کیا تو وہ ہندوؤں کے اغراض و مقاصد سے اچھی طرح واقف ہو گئے کہ کانگرس کا مقصد صرف ہندوؤں اور کسی حد تک سکھوں کے مفادات پیش نظر رکھنا تھا۔ مسلمان جب اس حقیقت سے آگاہ ہو گئے تو انہوں نے ایک علیحدہ سیاسی جماعت بنانے کو ضروری سمجھا۔ چنانچہ ۳۰ دسمبر۱۹۰۶ء کو ڈھاکہ میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس طلب کی گئی۔ اس کی صدارت نواب وقارالملک نے کی اور اسی کانفرنس میں مسلم لیگ کے قیام کا اعلان کیا گیا۔

پنجاب کے مسلمانوں کے سیاسی حقوق کے تحفظ کے لیے ۳۰ نومبر ۱۹۰۷ء کو لاہور میں

آل انڈیا مسلم لیگ سے متعلق پنجاب پراونشل شاخ کی ابتداء کی گئی۔[۳] ڈاکٹر رفیق افضل کے مطابق پنجاب مسلم لیگ کی بنیاد تو جون۱۹۰۶ء میں میاں محمد شفیع نے رکھ دی تھی یہ پارٹی پھر پنجاب پرونشل مسلم لیگ میں5دسمبر1907 کو ضم ہو گئی۔[۴]

۲۴ مارچ ۱۹۰۷ء کو لاہور میں میاں محمد شفیع کی قیام گاہ پر عمائدین لاہور کا ایک مشترکہ اجلاس شاہ دین کے زیر صدارت منعقد ہوا۔ جس میں نو ممبران پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ میاں محمد شفیع نے اس کمیٹی کے مجوزہ صوبائی مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد تجویز کر کے پنجاب کے مختلف شہروں کے مسلم زعماء کو ارسال کیے۔ عوام و خواص کی طرف سے حوصلہ افزا نتائج سامنے آ گئے تھے۔ پنجاب کے پچیس بڑے بڑے شہروں سے قریباً ایک صد سر برآوردگان نے مسلم لیگ کے قیام کی تجویز پر خوشی کا اظہار کیا اور اپنی پوری امداد اور تعاون کا یقین دلایا۔ چنانچہ ۳۰ نومبر ۱۹۰۷ء کو مسلم زعمائے پنجاب کا وہ تاریخی اجلاس منعقد ہوا جس میں پنجاب پراونشل مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا اور مسلمانان پنجاب نے اسلامیانِ ہند کی واحد سیاسی تنظیم کو مضبوط بنیادوں پر اُستوار کرنے کے لیے بنیادی پتھر رکھا۔[۵]

اغراض ومقاصد پنجاب مسلم لیگ

۱۔ مسلمانوں کے سیاسی حقوق کا تحفظ اور ترویج کرنا۔
۲۔ اُن کے ضمیر کو بیدار کرنا کہ وہ حبِ الوطنی کو فروغ دیں۔
۳۔ حکومت وقت کے سامنے مسلمانوں کے مسائل پیش کرنا۔
۴۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کرنا۔ تاکہ مسلمانوں کی فلاح وبہبود کے لیے مل کر کام کریں۔
۵۔ انگریزوں کے ساتھ وفاداری کا سلوک روا رکھا جائے۔
۶۔ تمام مسلمان فرقوں کے ساتھ اتحاد اور یگانگت قائم کی جائے۔
۷۔ مسلمان اور غیر مسلم کے ساتھ باہمی تعلقات کا اہتمام کیا جائے۔

۱۹۰۷ میں شاہ دین کو پنجاب مسلم لیگ کا صدر اور میاں محمد شفیع کو جنرل سیکریٹری منتخب کیا گیا۔۶

پنجاب ۱۹۰۷ء سے ۱۹۲۴ء تک

۱۹۰۷ء سے لے کر ۱۹۲۴ء تک کا زمانہ ہندوستان کے ساتھ ساتھ پنجاب پر خصوصاً سخت زمانہ تھا۔ سیاسی طور پر کانگریس کا دعویٰ تھا کہ وہ پورے ملک کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ اس جماعت کی کوشش صرف یہ تھی کہ انگریز حکومت صرف اس کے مطالبات پر غور کرے۔ مسلمانوں نے بھی بھرپور کوشش شروع کر دی تھی کہ مسلم لیگ بھی کانگریس کے دوش بدوش سیاسی جماعت کی حیثیت سے اُبھرے۔ 1916 میں مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان لکھنو معاہدہ ہوا جس کی رو سے مسلم لیگ مسلمانانِ ہند کی نمائندہ جماعت کے طور پر ابھر کر سامنے آ گئی تھی۔ مسلمانوں کی اس کوشش کے واضح نتائج ۱۹۱۹ء کی آئینی اصلاحات میں سامنے آ گئے اور یہ بات واضح ہو گئی کہ مسلمانوں کے لیے علیحدہ نمائندگی از حد ضروری ہے۔

۱۹۲۴ء میں پنجاب مسلم لیگ کے زیر اہتمام ایک شاندار جلسہ ہوا۔ اس جلسہ کی صدارت قائداعظم محمد علی جناح نے کی۔ اس جلسے میں شریک ہونے والوں میں مولانا محمد علی جوہر، چودھری خلیق الزماں اور آصف علی تھے۔ یونینسٹ پارٹی کے ارکان نے بھی اس میں شرکت کی۔ ان میں سر فضل حسین کا نام سرفہرست ہے۔ جلسے کے اختتام پر راجا غضنفر علی خان کو قائداعظم نے مسلم لیگ میں شمولیت کی دعوت دی۔ جواب میں راجہ صاحب نے کہا کہ مجھے آج سے ہی مسلم لیگ کا رکن سمجھیں۔۷ پنجاب مسلم لیگ اس وقت تک نہ اُبھر سکی جب تک میاں فضل حسین زندہ رہے اور اُن کی جماعت (یونینسٹ پارٹی) پنجاب میں کام کرتی رہی البتہ ان کے انتقال کے بعد پنجاب مسلم لیگ ترقی کی راہوں پر تیزی سے گامزن ہو گئی۔

فضل حسین کے انتقال کے بعد سکندر حیات نے یونینسٹ جماعت کی کمان سنبھال لی۔ قیادت سنبھالتے ہی ان کو احساس ہوا کہ صوبائی حدود تک اگر وہ مسلم لیگ کو ساتھ ملا لیں گے تو ان کا کام آسان ہو جائے گا۔۸

یہی وجہ تھی کہ انہوں نے ۱۹۳۷ء میں شملہ میں قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی اور ایک سمجھوتہ طے پایا جس کی رو سے سر سکندر حیات اور اُن کی پارٹی نے مسلم لیگ کی مخالفت ترک کر دی اور مصالحت کے لیے ایک قرارداد منظور کی۔ اس کا نام جناح-سکندر پیکٹ رکھا گیا اور مندرجہ ذیل اصول طے ہوئے۔

۱۔ پنجاب اسمبلی کے وہ رکن جو مسلم لیگ میں شامل نہیں ہیں۔ سکندر حیات پارٹی کو لیڈر ہونے کی حیثیت سے انہیں مسلم لیگ میں شامل ہونے کا مشورہ دیں گے اور جو رکن آمادہ ہو جائیں گے ان پر مرکزی مسلم لیگ کے قوانین اور ضابطوں کا پابند ہونا لازمی ہو گا۔

۲۔ اس رکنیت کے بعد عام یا ضمنی انتخابات میں یونینسٹ سیاسی اتحاد میں شامل لوگ تمام اُمیدواروں کی حمایت کرنے کے پابند ہوں گے۔ جو کہ لیگ گروپ کی طرف سے نامزد کیے جائیں گے۔

۳۔ مسلم لیگ کی طرف سے منتخب ہونے کی صورت میں وہ اسمبلی کے اندر بھی مسلم لیگ ہی کے رکن تصور کئے جائیں گے۔

۴۔ ان انتخابات کے بعد جو مسلم لیگ کی پارٹی سامنے آئے گی وہ مسلم لیگ کے بنیادی اصولوں کے مطابق مرکزی پالیسی کی بنیاد پر کسی بھی دوسری پارٹی سے سمجھوتہ کر سکے گی یا اسکی تائید حاصل کرنے کا اسے حق حاصل ہو گا۔

۵۔ انتخابات کے بعد اس قائم شدہ اتحاد کا نام یونینسٹ پارٹی ہی ہو گا۔

۶۔ اس نئی صورت حال کے پیش نظر صوبائی اور پارلیمانی بورڈ کی ترتیب نئے سرے سے کی جائے گی۔

اِس سمجھوتے میں جو روح کارفرما تھی اُس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ مسلم لیگ اور یونینسٹ میں اتحاد ہو اور پنجاب کے عام مسلمانوں میں اتحاد قائم ہو جائے۔[9]

پاکستان، قائداعظم کا جزو ایمان

قاضی محمد عیسیٰ قائداعظم کے بہت قریب تھے۔ کے ایچ خورشید اپنی کتاب ''قائداعظم کی یادیں'' میں رقمطراز ہیں کہ میں نے قاضی عیسیٰ سے پوچھا کہ کیا پاکستان کا نعرہ مسٹر جناح نے سیاسی سودے بازی میں محض اپنا وزن بڑھانے کے لیے لگایا تھا۔ قاضی عیسیٰ نے جواب دیا، ہرگز نہیں۔ پاکستان تو قائد کا جزو ایمان ہے۔ انہوں نے مسلم لیگ کے ایک اجلاس کا ذکر کیا جو ۱۹۴۲ء میں ہوا۔ وہاں ذکر آیا پنجاب اسمبلی میں پاکستان کے مطالبے کے خلاف ایک قرار داد پاس کی گئی تھی۔ اس وقت تک تقسیم کے معاملہ کو قراردادِ لاہور کے نام سے مخاطب کیا جاتا تھا۔ حالانکہ بہت سے لوگ اسے مطالبہ پاکستان کہہ کر اس کا ذکر کیا کرتے تھے۔ اس بیٹھک میں جناب جناح نے سر سکندر حیات خان سے جواب طلبی کی اور پوچھا سکندر تم لوگوں نے اپنی اسمبلی میں پاکستان کے خلاف قرارداد پاس کرنے کی جرأت کیوں کر کی؟ پنجاب کے وزیر اعلی نے شرمندگی سے جواب دیا سر قرارداد مسلم لیگ کی لاہور کی قرارداد کے خلاف نہیں تھی وہ تو محض پاکستان کی سکیم کے خدوخال کے خلاف تھی۔ قائداعظم نے کہا 'خوب اب تم بال کی کھال اُتار رہے ہو۔ سنو، اگر اب تک کوئی ابہام بھی تھا تو آئندہ قرار داد لاہور کو قرار داد پاکستان سمجھا اور کہا جائے گا'۔ اسی لحاظ سے اس ابہام کو دور کرنے کا 'سہرا' سر سکندر حیات ہی کے سر بندھنا چاہیے۔[۱۰]

پنجاب کی خواتین اور تحریک آزادی

قائداعظم کی نگاہ میں مسلم خواتین کا مرتبہ بڑا عظیم تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلم خواتین مردوں کے دوش بدوش تحریک پاکستان میں سرگرمِ عمل ہو جائیں۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۳۸ء میں قائداعظم نے خواتین کو تحریک میں مثبت کردار ادا کرنے کا موقع فراہم کرنے کے لیے آل انڈیا مسلم لیگ پٹنہ کا اجلاس بلایا۔ اس اجلاس میں تجویز پاس ہوئی کہ خواتین سب کمیٹی تشکیل دی جائے۔ اس کمیٹی میں ہر صوبے کی ان تجربہ کار خواتین کو نامزد کیا گیا جو پہلے سے تحریک آزادی کی جدوجہد میں مصروف تھیں۔ پنجاب سے اس میں بیگم شاہنواز، بیگم سلمیٰ

تصدق حسین، فاطمہ بیگم اور بیگم وقار النساء نون شامل تھیں۔[۱۱] پنجاب: بیگم بشیر احمد، بیگم عبدالعزیز، فاطمہ بیگم، بیگم سلمٰی تصدق حسین، بیگم رحمٰن، بیگم شاہنواز، بیگم رشیدہ لطیف، لیڈی جمال خاں اور لیڈی عبدالقادر پنجاب کی نمائندہ خواتین تھیں۔

پنجاب مسلم گرلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن

تحریک پاکستان کی ممتاز خاتون کارکن فاطمہ بیگم نے پنجاب میں طالبات کو منظّم کیا اور پنجاب مسلم گرلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی بنیاد رکھی۔ فاطمہ بیگم کے ادارہ جناح گرلز اسلامیہ کالج،لاہور میں پانچ سو سے زیادہ طالبات فیڈریشن کی رکن تھیں۔ فاطمہ بیگم کی قیادت میں اس جماعت نے سرگرم تحریک کی صورت اختیار کی۔ ۱۹۴۵ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کی کامیابی کے لیے کارکنوں نے گھر گھر چکر لگائے اور مسلمان خواتین کو تحریک پاکستان کے مقاصد سے آگاہ کیا۔ خضر حکومت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک کے دوران بھی فیڈریشن کی طالبات نے جلوس نکالے، جلسے کیے اور گرفتاریاں دیں۔[۱۲]

پنجاب مسلم اسٹوڈنٹ فیڈریشن

پنجاب مسلم اسٹوڈنٹ فیڈریشن کا احیاء ۱۹۳۷ء میں ہوا اور ان کو عروج ۴۶-۱۹۴۵ء کے انتخابات کے دوران حاصل ہوا۔ کوئی سیاسی جماعت اور تنظیم اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جس وقت تک نوجوان طالب علم اُس کے ہراول دستے کی حیثیت سے اُس میں شامل نہ ہوں۔[۱۳]

مسلم لیگ کا پہلا شہید طالبعلم

تحریک پاکستان کے اولین شہید عبدالمالک اسلامیہ کالج ریلوے روڈ، لاہور کے تھے۔ وہ مجید نظامی کے کلاس فیلو تھے۔ ایک جلوس کے دوران ''لے کے رہیں گے پاکستان، بن کے رہے گا پاکستان'' کے نعروں کے درمیان سناتن دھرم کالج (موجودہ ایم اے او) لاہور کے چھت پر ہندو طلباء کی خشت باری (پتھر برسانہ) کی وجہ سے جام شہادت نوش فرما کر

''شہیدان وفا'' کے پہلو میں چلے گئے۔ ان کا مزار اسلامیہ کالج کے احاطہ میں ہے۔[۱۴]

پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن میں جن طلباء نے اہم کردار ادا کیا ان میں حمید نظامی، میاں محمد شفیع، عبدالسلام خورشید، سید مخدوم عباسی، عماد الدین احمد اور عبدالستار نیازی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ فیڈریشن کے پہلے صدر حمید نظامی اور سیکرٹری عبدالستار نیازی منتخب ہوئے۔

فیڈریشن کے آئین کے مطابق یہ پالیسی اختیار کی گئی کہ:

۱ مسلم طلباء بالخصوص پنجاب کے مسلمان نوجوانوں میں اس نظریہ کی تبلیغ وتشہیر اور انہیں ایک مرکز پر جمع کرنا کہ برصغیر میں مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ مسلمان اپنے حق خود ارادیت کے حصول کو اپنا حقیقی سیاسی نصب العین قرار دیتے ہوئے مسلمان علاقوں کی الگ خودمختار فیڈریشن کے قیام کے لیے جدوجہد کریں۔

۲ دیگر مقاصد میں عربی زبان و ادب کا احیاء، اُردو ادب اور زبان کا فروغ، پنجاب یونیورسٹی میں مسلم طلباء کے حقوق کا تحفظ، مسلم ثقافت کا احیاء اور مسلم ادب اور تاریخ کی تحقیقی اکیڈیمی کا قیام شامل ہے۔

اس آئین کے نافذ العمل ہونے کے بعد فیڈریشن نے باقاعدہ پروگرام کے تحت کام کرنا شروع کر دیا۔ فیڈریشن کے زیرنگرانی ایک پاکستان ابلاغ عامہ کمیٹی تشکیل دی گئی۔ جو دیہاتوں میں جا کر پاکستان کے مطالبہ کے حق میں پروپیگنڈہ کرتی۔ فیڈریشن کی سرپرستی میں کئی پاکستان کانفرنسیں منعقد کی گئیں۔ ۱۹۴۶ء کے عام انتخابات میں پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن نے مسلم لیگ کی کامیابی میں بے حد اہم کردار ادا کیا اور خضر حیات ٹوانہ کے خلاف پنجاب میں سول نافرمانی کی تحریک میں بھی بھرپور حصہ لیا اور پنجاب کے طلباء نے پاکستان کے حق میں حمایت کی۔[۱۵]

ڈاکٹر وحید احمد نے اپنی کتاب *دی سٹوری آف پنجاب* میں عوام الناس کی والہانہ محبت اسلام، پاکستان، قائداعظم، اور مسلم لیگ سے متعلق جو واقعات تحریر کیے ہیں وہ چونکا

دینے والے ہیں۔ صفحہ ۱۷ میں وہ رقمطراز ہیں کہ ایک شخص لائلپور کا رہنے والا جس کا نام راجہ اسماعیل خان تھا۔مسلم لیگ کے امیدوار کو ووٹ ڈالنے کی جگہ پہنچا۔ گھر میں اس کی بیٹی کا جنازہ رکھا تھا۔ مگر اس کی بیوی کی رائے یہ تھی کہ ابھی ہم نے اپنے مستقبل اسلام اور کفر کی جنگ کا فیصلہ کرنا ہے۔ اس لیے پہلے ووٹ ڈالنے چاہیں پھر جنازہ کے فرائض ادا کرنا چاہیں۔ لہٰذا وہ اپنے گھر سے نو میل کی مسافت پیدل طے کر کے ووٹ مسلم لیگ کے رکن میاں نور اللہ کو دینے گیا اور شام کو گھر لوٹ کر بیٹی کو دفنانے کا بندوبست کیا۔ یہ جذبہ تھا عام لوگوں کا خود کو ہندوؤں کی حکمرانی سے نجات دلانے کا اور مسلمان رکن کو کامیاب کرنے کا۔ یہ پانچ سو صفحات سے زائد کی کتاب اسی موضوع کا احاطہ کرتی ہے کہ عام شہری چاہے وہ مسلمان تھا یا عیسائی یا کسی اور اقلیتی فرقے سے تعلق رکھتا ہو وہ پاکستان کی خاطر مسلم لیگ پارٹی سے منسلک تھا۔[۱۶]

تحریک پاکستان اور پنجاب میں صحافت

پنجاب میں مسلمانوں کی آواز بلند کرنے والے صرف چار اخبار *زمیندار*، *انقلاب*، *آہن* اور *شہباز* تھے جو لاہور سے شائع ہوتے تھے۔ یہ شروع میں نیشنلسٹ اور کانگریس کے مؤقف کالم تحریر کرتے تھے۔ شہید گنج واقعہ کے بعد ان کے رویہ میں تبدیلی آئی اور انہیں احساس ہوا کہ وہ غلطی کر رہے ہیں مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ کانگریس ہرگز نہیں کرے گی مسلمانوں کو اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے اپنی جنگ خود لڑنا ہو گی۔[۱۷]

تحریک پاکستان کے دوران پنجاب کی صحافت ایک تحریک بن کر ابھری اور مسلمانوں کا نقطہ نظر ملک کے طول و عرض میں پھیل گیا۔ پنجاب میں برطانوی حکومت کی حمایتی یونینسٹ پارٹی اپنے عروج پر تھی۔ اس پر طرفہ تماشہ یہ کہ ہندو پریس پروپیگنڈے کا ایک آتش فشاں تھا مسلمانوں کے پاس کوئی ایسا اخبار نہیں تھا بالخصوص شمالی ہند میں جو کلیتًا تحریک پاکستان کی حمایت اور تبلیغ کرتا اور ہندو پریس کا موثر جواب دیتا۔ ہندو پریس میں شامل تھے *ٹریبیون*، *سول اینڈ ملٹری گزٹ* وغیرہ۔ ہندو پریس کی شاندار کامیابی کی بڑی وجہ

ہندو روشن خیال طبقے کی حُب الوطنی، سیاسی شعور کی پختگی اور ہندو سرمایہ دار طبقے کی بصیرت تھی۔

اس زمانے میں پارٹی پریس کو عروج حاصل ہوا تھا اور تقریباً ہر پارٹی اپنا اخبار شائع کر رہی تھی۔ یونینسٹ پارٹی کے اخبار *انقلاب* کا پنجاب کی سیاست میں ایک کردار تھا۔ ہندو اخبارات نے مسلم اخبارات کے خلاف ایک محاذ قائم کر رکھا تھا۔ اسی پُر آشوب زمانے میں قائداعظم کی قیادت میں *نوائے وقت* کا اجراء ہوا۔ جو لاہور سے پہلے پندرہ روزہ اور پھر روز نامہ کی صورت اختیار کر گیا۔ اس کو مقبول کرنے میں طالع آزما صحافی میدان میں اُترے جیسے مولانا ظفر علی خان، حمید نظامی اور بہت سے صحافیوں نے اپنے قلم سے مسلمانوں کے لیے جہاد کے فرائض ادا کیے اور اُن کے سامنے ہندو اخبارات یونینسٹ پارٹی، نیشلسٹ مسلمانوں اور کمیونسٹوں کے بارے میں بڑے واضح اور کھلے لفظوں سے اُن کے مخالفانہ رویوں کو فاش کیا۔۱۸

سیاست میں صحافت کا کردار نہایت اہم رہا ہے۔ ممدوٹ جو پنجاب مسلم لیگ کی سیاست کے سربرائے اعلیٰ تھے انہوں نے ۱۹۴۴ میں اخبار *جٹّستان* خرید لیا اور اس کا نام *پاکستان* رکھ دیا اور یہ مسلم لیگ کا حامی اخبار شمار ہونے لگا۔ اسی طرح *شہباز* اور *وکیل* بھی مسلم لیگ کی صف میں آ گئے۔۱۹

۱۹۳۷ء کی پنجاب مسلم لیگ

ایکٹ ۱۹۳۵ء کی منظوری کے بعد ہندوستان کی سیاسی جماعتوں نے ۱۹۳۷ء کے انتخابات کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس وقت مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ وہ کئی جماعتوں اور پارٹیوں مثلاً جمعیت علمائے ہند، احرار، خاکسار، اتحادملت، شیعہ کانفرنس، مومن کانفرنس، سرخ پوش، یونینسٹ پارٹی، کشک پروّجا اور مودودی پارٹی میں منقسم تھے۔ ان میں قومی شعور اور یکجہتی کا فقدان تھا۔ مسلم لیگ واحد جماعت تھی جس کی حیثیت ملک گیر تھی۔ لیکن اس کے راستے میں بے شمار رکاوٹیں خود مسلمانوں نے کھڑی کر دی تھیں۔ چنانچہ

۱۹۳۷ء میں جو انتخابات ہوئے ان کا انجام مسلمانوں کے لیے بڑا دردناک تھا اور یہ انجام عین فطری تھا۔ مسلم لیگ کو برائے نام کامیابی حاصل ہوئی۔ کانگرس نے گیارہ صوبوں میں جبکہ مسلم لیگ کے رکن ملک برکت علی نے صرف جالندھر سے کامیابی حاصل کی۔ اگر یہ ضلع ہاتھ سے نکل جاتا تو پنجاب میں مسلم لیگ ہمیشہ کے لیے ختم ہو کر رہ جاتی۔[۲۰]

قائداعظم نے جب ۱۹۳۵ء میں مسلم لیگ کی تنظیم نو کا آغاز کیا تو فضل حسین جو ان دنوں مسلم لیگ کی مجلس انتظامیہ کے رکن تھے، الگ ہو کر پنجاب چلے گئے تا کہ اپنی یونینسٹ پارٹی کو مضبوط بنا سکیں۔ قائداعظم نے صدر منتخب ہونے کے بعد سر فضل حسین کو مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں صدارت کیلئے دعوت دی تو فضلِ حسین نے نہ صرف اس دعوت کو مسترد کر دیا بلکہ قائداعظم کو بھی واضح کیا کہ وہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت ہونے والے ۱۹۳۷ء کے انتخابات کی تیاری کیلئے مسلم لیگ کا مرکزی پارلیمانی بورڈ بنانے کی کوشش نہ کریں کیونکہ پنجاب میں مسلمان غیر فرقہ وارانہ جماعتوں (ہندو، سکھ، عیسائی اور دیگران) کے ساتھ مل کر کام کریں گے اور اس صورت حال میں مسلم لیگ کامرکزی پارلیمانی بورڈ ان کے راستے میں رکاوٹ ثابت ہو گا۔ سر فضل حسین کا اگلا قدم یہ تھا کہ اس نے قائداعظم کے پنجاب میں داخلہ پر قدغن لگا دی اور پھر جب قائداعظم سری نگر سے واپس لاہور تشریف لا رہے تھے تو کچھ غنڈوں کی معرفت قائداعظم کے خلاف کالی جھنڈیوں اور "Jinnah go Back" (جناح واپس چلے جاؤ) کے نعروں سے مظاہرہ کرانے کا پروگرام بنایا۔ اس کی اطلاع جب علامہ اقبال کو ملی تو انہوں نے سر فضلِ حسین کو سخت الفاظ میں انتباہ کیا۔ جس سے وہ اس حرکت سے رک گئے۔ الغرض ان دنوں حالت یہ تھی کہ آغا خان جیسے لوگ جنہوں نے مسلم لیگ کے قیام میں مرکزی کردار ادا کیا تھا۔ اب مسلم لیگ کی بجائے پنجاب یونینسٹ پارٹی کی مالی امداد کر رہے تھے۔[۲۱]

پارلیمانی بورڈ کا اعلان

اکتوبر ۱۹۳۶ء کے اواخر میں صوبائی لیگ کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ جو حضرات

لیگ پارلیمانی بورڈ کے ٹکٹ پر انتخابات میں حصہ لینا چاہتے ہیں وہ نومبر کے پہلے ہفتہ میں بورڈ کے پاس اپنی درخواستیں جمع کروائیں۔ اس اعلان کے جواب میں صرف سات امیدواروں کی درخواستیں موصول ہوئیں۔ جو حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ ملک برکت علی پنجاب کے مشرقی قصباتی حلقہ (جالندھر، فیروز پور، قصور، ہوشیار پور، پٹی اور پتوکی)

۲۔ خلیفہ شجاع الدین، لاہور

۳۔ ملک زمان مہدی، تحصیل حافظ آباد، ضلع گوجرانوالہ

۴۔ راجہ غضنفر علی خان، پنڈ دادنخان، ضلع جہلم

۵۔ سردار کریم بخش حیدری، تحصیل علی پور، سیالکوٹ

۶۔ میاں عبدالمجید، تحصیل لاہور

۷۔ مشتاق علی، رہتک[۲۲]

اس طرح پنجاب کونسل کے ۱۷۵ نشستوں کے ایوان میں ۸۶ مسلم نشستوں کیلئے مسلم لیگ کو صرف سات اُمیدوار ملے۔ اتحاد ملت اور احرار پہلے ہی مسلم لیگ پارلیمانی بورڈ سے الگ ہو چکے تھے۔ انہوں نے علیحدہ اُمیدوار کھڑے کیے۔ ان انتخابات میں مسلم لیگ کے سات اُمیدواروں میں سے دو اُمیدوار کامیاب ہوئے۔ راجہ غضنفر علی خان کو سر سکندر حیات خان وزیر اعلیٰ پنجاب کی حمایت حاصل تھی اور کامیابی کے بعد وہ یونینسٹ پارٹی میں شامل ہو گئے۔ ملک برکت علی خالصتاً مسلم لیگی کارکنوں کی کوشش اور جدوجہد سے کامیاب ہوئے۔ یہ پنجاب میں واحد مسلم لیگی اُمیدوار تھے جو سر سکندر حیات کی تمام تر مخالفانہ کارروائیوں کے باوجود کامیاب ہوئے۔[۲۳] ۱۹۳۷ء کے انتخابات کا نتیجہ اس ترتیب سے تھا:

پارٹی کا نام	کُل نشست
کانگریس	۱۸
مسلم لیگ	۲
باقی مسلم نشستیں	۴

سکھ اور ہندو نشستیں	۳۶
یونینیسٹ	۸۸
آزاد	۲۷
کُل	۱۷۵ ۲۴

زعماء پنجاب کی حکومتِ وقت سے وفاداری

ستمبر ۱۹۳۹ء میں شملہ میں پنجاب کے گورنر کو ایک ڈنر دیا گیا۔ جس میں سر سکندر حیات خان نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگر جنگ ہو گئی تو میں حکومت کو یقین دلاتا ہوں کہ برطانوی راج کے لیے پنجاب کا ایک ایک بچہ ملک معظم کے جھنڈے کے نیچے کٹ مرے گا۔

سر سکندر حیات خان کی تقریر سے ہندوستان کے مسلمانوں میں غم و غصہ کی ایک لہر دوڑ گئی۔ چناچہ آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں جو دسمبر ۱۹۳۹ء میں دہلی میں ہوا ظہیرالحسن لاری ایم۔ ایل۔ اے (یو پی) نے سر سکندر کی اس تقریر کے خلاف مذمت کی قرار داد پیش کی۔ مسٹر لاری کا موقف یہ تھا کہ جنگ میں غیر مشروط طور پر برطانیہ کو فوجی امداد دینا مسلم لیگ کی پالیسی کے منافی ہے۔ اِس لیے سکندر حیات جو کچھ کہہ رہے ہے وہ مسلم لیگ کا آئینہ دار نہیں ہو سکتا۔ لاری کی اس قرار داد پر بحث و مباحثہ ہوا بالآخر محمد علی جناح نے سکندر حیات کو تنبیہ کی کہ آئندہ وہ احتیاط کریں۔۲۵

پنجاب پاکستان کا بنیادی ستون

پنجاب کے بغیر پاکستان کا تصور نا ممکن تھا۔ پنجاب میں مسلمانوں کی بڑی تعداد رہتی تھی اور رہتی ہے اس کا جغرافیہ پاکستان کے ساتھ منسلک ہے۔ یہ اجناس کی منڈی ہے۔ پاکستان کی عسکری اور افسر شاہی قیادت کے لیے پنجاب اہم مرکزی خطہ ہے۔ قائداعظم پنجاب کو پاکستان کا ''بنیادی جز'' قرار دے چکے تھے۔ اگر پنجاب کے عوام مسلم لیگ کے فرقہ وارانہ علیحدگی کے نظریہ کو نہ تسلیم کرتے تو پاکستان کبھی وجود میں نہ آتا۔۲۶

علامہ اقبال اور مسلم لیگ

پنجاب کی تاریخ میں علامہ محمد اقبال کا نام ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ علامہ اقبال کو مسلمانوں کو غلاموں کی حیثیت میں دیکھ کر بہت افسوس ہوتا تھا۔ انہیں محسوس ہوا کہ کسی سیاسی فتح کے لیے ضروری ہے کہ آپ کسی نہ کسی جماعت سے وابستہ ہوں جو آپ کے مفادات کا تحفظ کر سکے۔ لہٰذا علامہ اقبال نے مسلم لیگ میں شرکت اختیار کر لی۔

مسلم لیگ میں شامل ہونے کے بعد علامہ اقبال نے قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ خط و کتابت کا سلسلہ بھی شروع کر دیا اور انہیں احساس دلایا کہ کانگریس نے جس مقاصد کے لیے اپنی جماعت کا آغاز کیا تھا وہ اس کو قطعی طور پر ترک کر چکی ہے اور اب ایک خاص ہندو ریاست بنانے کی فکر میں ہے۔ اگر کانگریس کا یہ ارادہ پایہ تکمیل تک پہنچ گیا تو اس کے نتائج سنگین ہونگے۔ محمد علی جناح نے اقبال کے خیالات سے اتفاق کیا۔ علامہ ہی کے کہنے پر محمد علی جناح نے برطانیہ میں اپنی سکونت کو خیر باد کہا اور ہندوستان آ کر پوری تندہی سے مسلمانوں کی الگ شناخت اور خطۂ ارضی کے لیے کام کیا۔۲۷

علامہ اقبال نے نہ صرف اپنے اشعار و افکار کے ذریعہ مسلمانوں کے احساس آزادی کو بیدار کیا بلکہ اس سلسلے میں انہوں نے ذاتی طور پر کارہائے نمایاں سر انجام دیئے۔ ۱۹۳۰ء میں انہیں مسلم لیگ کی دعوت پر الہ آباد میں اس کے سالانہ اجلاس کی صدارت کے لیے بلایا گیا وہاں انہوں نے نہایت دیدہ افروز خطبہ دیا۔ یہ خطبہ نہ صرف تاریخ پاکستان کا جزو بن گیا بلکہ اس خطبہ کے ذریعہ انہوں نے مسلمانانِ ہندوستان کو سیاسی طور پر ایک علیحدہ مملکت کا جغرافیائی تصور پیش کیا۔ اقبال نے اپنے موثر کلام سے مسلمانوں میں جذبہ آزادی کی روح پھونک دی عوام کو خواب غفلت سے بیدار کیا اور انہیں منزل تک پہنچنے کے واضح راستے بتائے۔۲۸

علامہ نے ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو وفات پائی اور لاہور کی شاہی مسجد کے پہلو میں مدفون کئے گئے۔

علماء، مشائخ اور برادریاں

تحریک پاکستان میں مسلم قوم اس لیے شامل ہوئی کہ وہ نہ صرف ہندووں کے تسلط سے نجات چاہتے تھے بلکہ وہ اپنے لیے ایسے ملک کے خواہشمند جس میں مسلم معاشرے کی خصوصیات کا بول بالا ہو۔پنجاب میں الیکشن میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے اس علاقے کے پیر، مشائخ اور برادریوں کے آلہ کار کو الیکشن میں کھڑا کیا گیا۔ امیدوار کا اثرورسوخ ہونا بہت ضروری ہے۔جہاں کہیں بھی مضبوط برادریوں کا وجود تھا وہاں مسلم لیگ نے ان برادریوں کے سرکردہ افراد کو اپنے امیدوار کے طور پر انتخابات میں کھڑا کیا۔۲۹

پنجاب مسلم لیگ ۱۹۳۷۔۱۹۴۳

۱۹۳۶ کے بعد مسلم لیگ کی بہتر کارکردگی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۳۷ء اور ۱۹۴۳ء کے درمیان صوبائی اسمبلی کی مسلمانوں کی نشستوں پر ۶۱ ضمنی انتخابات کا انعقاد ہوا۔ جس میں سے مسلم لیگ نے ۴۷ آزاد امیدواروں نے ۱۰ جبکہ نامزد مسلمانوں نے کل ۴ نشستیں حاصل کیں۔ یہ مسلم لیگ کے دعویٰ کا واضح ثبوت تھا کہ وہ برصغیر کے مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے۔

آئندہ آنے والے انتخابات میں مسلم لیگ کو ہندوستان کے مسلم اکثریتی صوبوں میں نہ صرف کانگریس بلکہ بہت سی نیشنلسٹ مسلم سیاسی جماعتوں کا بھی سامنا تھا جو قیام پاکستان کی مخالف تھیں۔

ان میں احرار پارٹی، جمعیت علماء ہند، خدائی خدمتگار، مومن کانفرنس، آزاد بورڈ سرفہرست تھیں۔ یہ سب کانگریس کی حامی جماعتیں تھیں اور تقسیم ہندوستان کی مخالف تھیں۔ کانگریس پُر امید تھی کہ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں بھر پور کامیابی حاصل کر لے گی۔کیونکہ وہ مسلم لیگ سے زیادہ منظّم جماعت تھی اور ان کے پاس وسائل بھی مسلم لیگ سے کہیں زیادہ تھے۔

انتخابات کی مہم کا آغاز ہوا تو قائداعظم نے مسلمانوں کو انتباہ کیا کہ اگر وہ مسلم لیگ کے امیدوار کے حق میں ووٹ ڈالیں گے تو یہ ووٹ پاکستان کے حق میں تصور کیا جائے گا

اور اگر وہ کانگریس کے اُمیدوار کو ووٹ ڈالیں گے تو اُن کا ووٹ ہندوراج کے قیام کے لیے ہو گا۔ انہوں نے مزید کہا کہ انتخابات کے مثبت نتائج ہی ہمارے دعوے کا ثبوت ہوں گے کہ آل انڈیا مسلم لیگ واقعی مسلمانانِ برصغیر کی نمائندہ جماعت ہے۔

مسلم اکثریتی صوبوں میں بھی حالات ساز گار نہیں تھے۔ پنجاب میں خضر حیات ٹوانہ کی برسراقتدار یونینسٹ پارٹی کافی مضبوط سیاسی جماعت تھی جو اس سے پہلے بھی پنجاب میں چھائی ہوئی تھی۔ پنجاب میں زیادہ تر ساہو کار اور زمیندار اس پارٹی کے ممبر تھے جن میں سکھ، ہندو سب شامل تھے۔ صوبہ سرحد میں خان عبدُالغفار خان کی خدائی خدمت گار پارٹی مسلم لیگ کے لیے کافی مشکلات کا باعث بنی ہوئی تھی۔ اس پارٹی کی تمام تر ہمدردیاں کانگریس کے ساتھ تھیں۔

کچھ ایسا ہی حال سندھ میں بھی تھا۔ وہاں کے وڈیرے کانگریس کی حمایت میں پیش پیش تھے۔ البتہ بنگال کے حالات کچھ ساز گار تھے۔ جہاں مسلم لیگ حسین شہید سہروردی کی قیادت میں کافی منظّم جماعت بن کر اُبھری۔[۳۰]

مسلم لیگ اور جینکنز (متحدہ پنجاب کا آخری انگریز گورنر)

پنجاب مسلم لیگ کے لیے جینکنز کا دور حکومت جو ۷ اپریل ۱۹۴۶ء سے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء تک محیط ہے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس دوران پنجاب کی تاریخ کے بہت سے اہم واقعات رونما ہوئے جن نے پنجاب کی جغرافیائی اور معاشرتی شکل ہی بدل کر رکھ دی۔

۱۶ مئی ۱۹۴۶ کو کابینہ مشن کی تجاویز سامنے آئیں۔ ان تجاویز میں ہندوستان کو تین خطوں میں تقسیم کرکے ان کی الگ الگ فیڈریشنز قائم کی گئی تھیں۔ پہلے خطے میں ہندو اکثریت کے چھ صوبے شامل تھے جبکہ دوسرے خطے میں پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبہ، سندھ اور بلوچستان شامل تھے۔ جبکہ تیسرا خطہ بنگال اور آسام پر مشتمل تھا۔ مرکزی امور کے سوا باقی ماندہ اختیارات صوبوں کی تحویل میں تھے۔ ہر خطے کو اپنے لیے ایک آئین بنانے کا اختیار دیا گیا۔ صوبوں کو وفاق سے علیحدگی کا اختیار بھی دیا گیا۔ ان تجاویز کی رو سے ایک عبوری مرکزی حکومت بھی تشکیل پانا تھی۔ مسلم لیگ نے ابتدا اس منصوبے کو قبول کر لیا مگر

وعدے کے مطابق اسے عبوری حکومت میں شامل کرنے سے لیت و لعل سے کام لیا جاتا رہا۔ اس بد عہدی کے خلاف مسلم لیگ نے ۱۶ اگست ۱۹۴۶ء کو پورے ملک میں یوم راست اقدام منایا۔ بالآخر مسلم لیگ کو عبوری حکومت میں شمولیت کی دعوت دی گئی۔ اس حکومت میں پنجاب کی طرف سے راجہ غضنفر علی کابینہ میں شامل ہوئے۔ اس واقعہ کے چند ماہ بعد پنجاب میں خضر حکومت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک شروع ہو گئی۔ ۲۴ جنوری ۱۹۴۷ء کو مسلم لیگ نیشنل گارڈ پر پابندی لگا کر دفتر کی تلاشی لی گئی۔ مزاحمت پر میاں افتخار الدین، میاں محمد ممتاز دولتانہ، سردار شوکت حیات جیسے مسلم لیگی رہنماؤں کو گرفتار کر لیا گیا۔ مسلم لیگی ان پابندیوں کے خلاف احتجاج بلند کرتے رہے۔ آہستہ آہستہ یہ سلسلہ پورے پنجاب میں پھیل گیا۔[۳۱]

انتخابات میں مسلمان نشستوں سمیت صوبائی اسمبلی کی چھیاسی میں سے پچھتر نشستیں ملیں۔ بعد ازاں چار اور ارکان اس میں شامل ہو گئے۔ اس کے باوجود وزارت بنانے کی دعوت نہ دی گئی اور گورنر کے ایماء پر سر خضر حیات ٹوانہ کی زیر قیادت یونینسٹ، کانگرس، سکھ اکالی دَل کی مخلوط وزارت قائم ہو گئی۔ جو عملاً غیر مسلم تھی۔ مسلم لیگ نے پنجاب میں دوبارہ جبر و تشدد سے کام لیا تو سول نافرمانی کا آغاز کر دیا۔ یہ تحریک ایک ماہ سے زیادہ عرصے تک کامیابی سے پورے صوبے میں چلائی گئی اور بالآخر ۲ مارچ ۱۹۴۷ء کو خضر حیات نے اپنی وزارت کا استعفاء پیش کر دیا۔

مسلم لیگ پارٹی کے قائد افتخار ممدوٹ خان نے غیر مسلم ارکانِ اسمبلی سے تعاون کی درخواست کی۔ جس کے جواب میں ماسٹر تارا سنگھ نے اسمبلی ہال کے باہر تلوار لہرا کر گویا مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ اسی دن ہندوؤں اور سکھوں نے مسلمانوں پر حملے کر دیئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر جگہ خونریز بلوے شروع ہو گئے۔ گورنر نے مسلم لیگ کو وزارت کی دعوت دینے کے بجائے گورنر راج کے نفاذ کا اعلان کر دیا۔ قیام پاکستان تک یہی صورت حال رہی۔

اس دوران ۲۰ فروری ۱۹۴۷ کو حکومتِ برطانیہ نے اعلان کیا کہ ہندوستان میں

برطانیہ اپنی حکومت جون ۱۹۴۸ء تک ختم کر دے گا اور ممکنہ طور پر اسے اقتدار صوبائی حکومتوں کے سپرد کرنا پڑے گا۔ اس اعلان پر وزیر اعلیٰ خضر حیات ٹوانہ جو مسلم اکثریت کے خلاف برسرِ اقتدار تھے ان کے پاس اب کوئی چارہ نہ رہا سوائے اس کے کہ وہ مستعفی ہو جائیں۔

خضر کے مستعفی ہونے کے بعد گورنر جینکنز نے رسمی طور پر مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر افتخار حسین ممدوٹ کو وزارت بنانے کی دعوت دی۔ خط کا حوالہ جو وائسرائے لارڈ ویول کو لکھا جس میں وضاحت کی کہ حکومت بنانے کا حق مسلم لیگ کا ہے۔ مگر اس نازک موقع پر مسلم لیگ کو حکومت دینے کا مقصد، مسلم لیگ کی من مانی ہو گی۔ وہ عین ممکن ہے پورے پنجاب پر اپنا حق جتائیں۔ فوج جو فی الحال متحد ہے اور گروہ بندی کا(communalism) کا شکار نہیں ہوئی اس میں اگر یہ فرقہ بندی کا عنصر آ گیا تو پھر حالات کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔[۳۲] اس لیے بہتر یہ ہی ہے کہ یہاں پر دفعہ ۹۳ کے تحت حکومت کی جائے۔ ویول نے جینکنز کی حکمت عملی کو سراہا۔

۵ مارچ ۱۹۴۷ کو گورنر ایوان میریتھد جینکنز نے انڈین ایکٹ ۱۹۳۵ء کی دفعہ ۹۳ کے تحت پنجاب میں گورنر راج قائم کر دیا۔ ۳ جون ۱۹۴۷ء کو ماؤنٹ بیٹن نے تقسیم ہند کا منصوبہ پیش کیا۔ جسے مسلم لیگ اور کانگریس نے تسلیم کر لیا۔ اس منصوبے کے تحت پنجاب کو مسلم اکثریتی اور غیر اکثریتی علاقوں میں تقسیم ہونا تھا۔ مسلم اکثریتی ۱۷ اضلاع (بشمول گورداسپور) مغربی پنجاب میں شامل تھے اور اس سے تعلق رکھنے والے ارکان اسمبلی نے پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ کیا۔ جبکہ غیر مسلم اکثریت کے ۱۳ اضلاع مشرقی پنجاب میں شامل تھے اس نے بھارت کے ساتھ شمولیت کا فیصلہ کیا۔[۳۳]

مخالفین اعتراض کرتے کہ مسلم لیگ نے صرف ''مسلم اکثریت کے علاقوں'' کو پیش نظر رکھا ہے۔ اس کے جواب میں قائداعظم نے بار بار مسلم اقلیت کے صوبوں کے مسلمانوں کو اس پروپیگنڈے کی جانب توجہ دلائی اور کہا اس کا مقصد ان میں بد دلی پیدا کرنا اور انہیں مسلم لیگ کے مطالبے کی مخالفت پر اُکسانا ہے۔ آپ نے فرمایا جو مسلمان

ہندوستان میں ہیں وہ بدستور اقلیت میں رہیں گے۔ خواہ ملک تقسیم ہو یا نہ ہو۔ انہیں اپنے بھائیوں کے راستے میں رکاوٹ ہرگز نہیں بننا چاہیے۔ جنہیں تقسیم ملک کے ذریعے صحیح سیاسی آزادی مِل سکتی ہے۔ اگر پورے برصغیر پر ایک واحد حکومت مسلط ہوئی تو نو کروڑ مسلمانوں کو ہندو فرقہ وارانہ اکثریت کی سیاسی غلامی برداشت کرنی پڑے گی۔ کیا پوری قوم کا نقطہ نگاہ سے اس صورت کو قبول کر لیا جائے یا بہ ضرورت دیگر کم از کم چھ کروڑ مسلمانوں کو بہ یک وقت انگریز اور ہندو اکثریت کے غلبے سے آزاد کرانے اور اپنی مخصوص روایات اور ملی نظریات کے مطابق اپنے مستقبل کی تعمیر کا موقعہ دلانے کے لیے جدوجہد کی جائے۔ اس صاف، سادہ اور مختصر دلیل سے اقلیتی صوبوں کے مسلمان جس حد تک متاثر ہوئے اس پر بعد کی تاریخ کے واقعات شاہد ہیں۔[۳۴]

مسلم لیگ نے الگ خطہ کا مطالبہ کیوں کیا۔ کیا پاکستان کسی نظریہ کا نام ہے؟ یا پاکستان تاریخ کے ایک دھارے کا نام ہے؟ پاکستان اس وقت کیوں نہیں بنا جب مغلوں کی حکومت تھی۔ یا شاہ ولی اللہ کے دور میں، اورنگزیب عالمگیر کے زمانے میں۔ اس وقت مسلمانوں کی حکومت تھی اور سب قوموں کے حقوق کی پاسداری تھی۔

پاکستان کی تاریخ انیسویں صدی میں ہمارے سامنے آنا شروع کر دیتی ہے اور اس کا دامن تعصب سے پاک رہتا ہے۔جب بھی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو اس وقت کے عالمی حالات کو ذہن میں رکھنا چاہیے۔ عالمی جنگوں سے پہلے دنیا میں بڑی بڑی سلطنتیں تھیں۔ عالمی جنگوں کے بعد ریاستوں کا تصور پیش ہوتا ہے اور سلطنتیں ریاستوں میں تبدیل ہوگئیں۔ ہندوستان تقسیم سے پہلے کسی سلطنت سے کم نہ تھا۔ مسلمان ہندوستان میں ہندو کے زیر دست نہیں رہنا چاہتے تھے۔ لہٰذا انھوں نے الگ ریاست کے لیے جدوجہد کی اور کامیاب ہوئے۔

۱۹۳۶-۳۷ کے انتخابات میں حصہ لینے کے تجربے اور ذمہ دار حکومتوں کی شرائط کے تحت وزارتوں کی تشکیل نے، ہندوستانی سیاست کی داخلی حرکات کو منکشف کیا اور یہ صورتحال اقلیت و اکثریت، دونوں کے رویوں کو ایک نئے اور ڈرامائی انداز میں سامنے لے آئی۔ ان میں سب سے قابلِ ذکر کانگریس کی ہندوستان میں ایک جماعت کی حکومت کے قیام کی

ذہنیت تھی۔ جس کا لا محالہ مطلب دوسری ہندوستان جماعتوں کا خاتمہ یا انضمام تھا۔۳۶

زوار حسین زیدی اپنے مقالے میں بہت واضح طور سے یہ بات کہتے ہیں کہ محمد علی جناح ہر حال میں ہندوستان کے حصے بخرے کرنے پر نہیں تلے بیٹھے تھے۔ بلکہ انہوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ متحدہ ہندوستان کے اندر مسلمانوں کو ان کے سیاسی و معاشی حقوق کا دیر پا تحفظ حاصل ہو سکے۔ انہوں نے اس بات کو ترجیح دی کہ پہلے کانگریس کے ساتھ کوئی افہام و تفہیم پیدا ہو اور کوئی مشترکہ نقطۂ نظر اُجاگر کیا جا سکے تا کہ ایک مضبوط ہندوستانی مؤقف انگریز کی عدالت میں پیش کیا جا سکے۔

صفدر محمود کا موقف یہ ہے کہ ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں ۱۱ صوبوں میں سے نو صوبوں میں کانگریس کی وزارتیں بنیں۔ اس دوران کانگریس نے اقلیتوں کے مفاد کو بے رحمی سے پامال کیا اور مسلم سکولوں میں بچوں کو ہندی پڑھنے پر مجبور کیا گیا اور نصاب میں ہندو نظریات اور ثقافت کی یلغار کر دی جو کہ مسلمانوں کو انتہائی ناگوار گزری اور مسلمان مجبور ہو گئے کہ وہ اپنی شناخت کو برقرار رکھنے کے لیے اپنے مستقبل کے بارے میں سنجیدگی سے سوچیں۔۳۶

پٹنہ کا جلسہ: قائداعظم کا لقب

اس کے بعد دسمبر ۱۹۳۸ء میں لیگ کا سالانہ اجلاس پٹنہ میں منعقد ہوا۔ پٹنہ کے سیشن میں دلچسپ بات یہ ہوئی کہ ایک نوجوان فیروز الدین احمد نے جنہوں نے مسلم لیگ کے جلسوں میں قائداعظم کا نعرہ لگایا اور پھر وہ آپ کے نام کا حصہ بن گیا۔ یہ لقب اتنا مقبول ہوا کہ مسٹر جناح کے ساتھ مستقل طور پر وابستہ ہو گیا۔۳۷

یونینسٹ پارٹی دیہی علاقہ پر چھائی ہوئی تھی وہاں سوائے دس نشستوں کے ۸۵ نشستوں پر یونینسٹ کی حکومت تھی۔ یونینسٹ نے کس طرح اپنی ساکھ بنائی کہ وہ ایک مؤثر جماعت کی حیثیت سے اُبھری اور پھر وہ کیا عوامل تھے کہ ۱۹۴۵ء-۴۶ء کے انتخابات میں مسلم لیگ نے اُس کو چت کر دیا۔ یونینسٹ جماعت میاں فضل حسین اور چھوٹو رام نے

۱۹۲۳ میں تشکیل دی۔ اُس وقت سے لے کر ۱۹۴۶ء تک یہ پارٹی پنجاب کی سیاست کی تنابیں سنبھالے رہی۔۳۸

۱۹۲۳ء میں انہوں نے یونینسٹ پارٹی کا ایسا انتخابی منشور جاری کیا جس میں پارٹی کے مقاصد کو واضح کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ یونینسٹ قیادت صوبہ کے پس ماندہ طبقات اور قومیتوں کی ذات برادری کو خاطر میں لائے بغیر حوصلہ افزائی کرے گی اور ان کی ترقی کے لیے کام کرے گی۔ ۱۹۲۳ء میں جب لجسلیٹو کونسل کے انتخابات ہوئے تو یونینسٹ پارٹی کو واضح اکثریت حاصل ہو گئی لیکن یہ سمجھنا حقیقت پر مبنی نہ ہو گا کہ یونینسٹ پارٹی کے تمام ممبران پارٹی پروگرام کے نتیجے میں منتخب ہو کر کونسل میں پہنچے تھے۔ یونینسٹوں کو کامیابی دراصل پارٹی کے امیدواروں کے ذاتی اثر و رسوخ اور زمیندار، پیر یا برادری کے سربراہ کے طور پر معتبر حیثیت کے نتیجے میں حاصل ہوئی۔ کل ۳۲ مسلمان ارکان کونسل پنجاب کے سرکردہ زمیندار یا پیر گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ جن میں ٹوانہ، دولتانہ، گورمانی، زمیندار گھرانوں کے افراد کے علاوہ شاہ جیونہ، مکھڈ، رجوعہ اور گیلانی پیر شامل تھے۔۳۹

یونینسٹ پارٹی نے میاں فضلِ حسین اور اِس کے بعد سر سکندر حیات کی زیرِ قیادت مسلمانوں بالخصوص دیہاتی مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے قابلِ قدر کام کیا۔ لیکن اس جماعت کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ پنجابی مسلمان کسی عوامی تحریک میں حصہ نہ لیں اور حکومت سے کسی صورت متصادم نہ ہونے پائیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی دیہاتی آبادی سیاسی تحریکوں میں سرگرم تھی۔ پنجاب میں زیادہ تر شہری عوام ہی نے حصہ لیا۔ اس دوران میں اگر کوئی عوامی تحریک اُٹھی تو اِسے سختی سے کچل دیا گیا۔

سانحہ مسجد شہید گنج

۱۹۳۵ء میں سانحہ شہید گنج پیش آیا تو صوبائی سطح پر مسلم لیگ کی افزائش اتنی تیزی سے ہوئی کہ جس کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔ بالخصوص ملک برکت علی نے جب سے مسجد شہید گنج کے مقدمے کی پیروی شروع کی پنجاب میں مسلم لیگ روز بروز فروغ حاصل

کرنا شروع ہو گئی۔ جب ملک صاحب نے تحفظ مساجد کا بل پیش کرنے کا حکومت کو نوٹس دیا تو پورے صوبے کے مسلمانوں میں ایک ہلچل مچ گئی۔ ہر چھوٹے بڑے شہر اور قصبے میں لوگ از خود مسلم لیگ میں شامل ہونے لگے اور پنجاب کے مختلف حصوں میں مسلم لیگ کی شاخیں قائم ہونے لگیں مسلم لیگ کے فروغ کا سبب مولانا ظفر علی خان کی گرفتاری اور اس کے برعکس مجلس احرار کی خاموشی تھی۔ مجلس احرار کے بارے میں عوام کے خیالات بدل گئے اور وہ مسلم لیگ کو صحیح نمائندہ جماعت قرار دینے لگے۔[۴۰]

پنجاب میں ہندوؤں کے برعکس شہری اور دیہاتی مسلمانوں کے مفاد میں کوئی تصادم نہ تھا۔ لہٰذا شہری حلقوں کے اکثر نمائندے بھی یونینسٹ پارٹی میں شامل ہو گئے۔ ۱۹۳۵ء کے بعد جب قائداعظم کی کوششوں سے مسلم لیگ کا احیاء ہوا تو پنجاب اسمبلی میں باقاعدہ مسلم لیگ پارٹی قائم نہ ہو سکی۔ انفرادی طور پر بیشتر مسلمان ارکان مسلم لیگ کے رکن تھے، لیکن اسمبلی کے اندر ان کی وفاداری کا مرکز یونینسٹ پارٹی ہی رہی۔ سر سکندر حیات نے اپنے دورِ وزارت میں دونوں جماعتوں کے درمیان تصادم کا موقع پیدا نہ ہونے دیا اور وہ کل ہند مسائل میں قائداعظم کی پیروی کرتے رہے۔[۴۱] اس زمانے میں پنجاب کو یہ فخر حاصل ہوا کہ اس کے دارالحکومت لاہور میں ۲۳ مارچ ۱۹۴۰کو قرار داد پاکستان منظور ہوئی۔ ۱۹۴۲ء میں سر سکندر حیات کی وفات ہوئی۔ خضر حیات ٹوانہ پنجاب کے وزیر اعظم بنے تو یہ صورت حال برقرار نہ رہ سکی۔ اُس وقت کے سیاسی حالات کا تقاضا یہ تھا کہ ہندوستان کے تمام مسلمان ایک پلیٹ فارم پر مجتمع ہو کر حصول پاکستان کی تحریک متحد اور منظّم ہو کر چلائیں۔

سر خضر حیات نے اِس سلسلے میں صوبائی مفادات کی آڑ لی اور قائداعظم کی ہدایت کے باوجود اسمبلی میں اُن کے رفقاء کو جماعت سے خارج کر دیا گیا جس کے نتیجہ میں پنجاب میں یونینسٹ حکومت ختم کر کے مسلم لیگ وزارت قائم کرنے کی مہم شروع ہو گئی۔[۴۲] ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں مسلم لیگ نے شاندار کامیابی حاصل کی۔ مسلم لیگ نے پنجاب کی طرف سے مرکزی اسمبلی میں مقررہ مسلم سیٹ پر سو فیصد کامیابی حاصل کی۔[۴۳]

اختتامیہ

آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام اور پنجاب صوبہ کا لیگ کے پلیٹ فارم سے تحریک آزادی میں جاندار کردار ادا کرنا ایک مثبت اور فعال جدوجہد کا حصہ تھا جو قیامِ پاکستان پر منتج ہوئی۔ پنجاب ایک وسیع و عریض صوبہ ہے جو اپنے اندر بہت سی تہذیبوں کو سموئے ہوئے ہے۔ جیسے ہندو، بدھ، سکھ اور اسلامی تہذیب۔ پہلی تین تہذیبوں کا آغاز اسی پنجاب کے خطہ سے ہوا۔ ۱۸۹۱ میں اس کی سرحدوں میں جموں اور کشمیر شامل تھا۔ اسکی سرحدیں بھارت کے مغرب میں انبالہ ڈویژن سے دریائے سندھ اور اٹک تک اور شمال جنوب میں بہاول پور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ہندوستان کو سونے کی چڑیا کہا جاتا رہا۔ وہ محض پنجاب کی خوراک کی وافر مقدار کی بدولت تھا۔

پاک و ہند میں جب کبھی کسی تحریک کی ہوک اٹھی تو اہل پنجاب نے اسے لبیک کہا بلکہ جانی اور مالی قربانیوں سے بھی دریغ نہ کیا۔ تحریک پاکستان کے دوران پنجاب معاشرہ کے تمام طبقوں نے اپنا اپنا کردار بھر پور طریقہ سے ادا کیا۔ چاہے وہ طالبعلم تھے خواتین تھیں، بچے، جوان اور بوڑھے ہر ایک اپنی اپنی بساط کے مطابق اپنا حصہ ڈالتا گیا۔ سیاست دانوں نے جب دیکھا کہ انگریز ہندوستان واقعی چھوڑ رہا ہے تو انھوں نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔ دیر میں دیا مگر دیا۔ اگر خدا نخواستہ وہ آخری وقت تک فیصلہ نہ کر پاتے تو پنجاب کے مسلمان بھی کشمیریوں کی طرح ایک نہ ختم ہونے والے عذاب میں پھنس جاتے۔ پنجاب مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے ڈاکٹر علامہ اقبال کا کردار قابلِ ستائش ہے۔ وہ مصورِ پاکستان گردانے جاتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ سید محمد عبداللہ اور دوسرے رفقاء،*اُردو دائرہ معارفِ اسلامیہ*، جلد۵، لاہور، دانش گاہ پنجاب، ۱۹۷۱ء،ص ۶۴۸۔

۲۔ سید محمد عبداللہ اور دوسرے رفقاء،*اُردو دائرہ معارفِ اسلامیہ*،ص ۶۵۷۔

۳۔ اقبال صلاح الدین، *تاریخِ پنجاب*، لاہور، عزیز پبلشرز، ۱۹۷۴ء،ص۶۵۷۔

4- Rafique Afzal, *A History of All India Muslim League 1906-1947,* Karachi, OUP, 2013, p. 13.

۵۔ محمد ایوب خان، *تحریک پاکستان اور جالندھر*، لاہور، اساطیر، ۲۰۰۲ء، ص ۱۳۲۔

6- Riaz Ahmad (ed.) , *The Punjab Muslim League 1906-1947: Secret Police Abstracts,* Islamabad, NIHCR,2008, p.XXI.

۷۔ اقبال صلاح الدین، *تاریخ پنجاب*، لاہور، عزیز پبلشرز، ۱۹۷۴ء، ص ۶۵۸۔

۸۔ اقبال صلاح الدین، *تاریخ پنجاب*، ص ۶۵۹۔

۹۔ اقبال صلاح الدین، ص۶۶۹۔

۱۰۔ کے ایچ خورشید، *قائداعظم کی یادیں*، کراچی، او یو پی، ۱۹۹۱ء، ص ص ۸۷-۸۸۔

۱۱۔ ایم سلطانہ بخش، ''تحریک پاکستان اور خواتین''، مجلّہ تاریخ و ثقافتِ پاکستان، جلد ۲، شمارہ۱، اپریل ۱۹۹۱ء، شمارہ مسلسل ۲۰، ص ص ۱۷-۵۷۔

۱۲۔ اسد سلیم شیخ، *انسائیکلوپیڈیا تحریک پاکستان*، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء، ص ۲۷۸۔

13- Sarfaraz Hussain Mirza, *The Punjab Muslim Students Federation 1937*-1947, Islamabad, NIHCR, 1991, pp. 429-431.

۱۴۔ عائشہ مسعود، *جب تک میں زندہ ہوں*، اسلام آباد، فیکٹ پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۳۰۔

۱۵۔ سرفراز حسین مرزا، اسد سلیم شیخ اور *انسائیکلوپیڈیا تحریک پاکستان*، ص ۲۷۸۔

16- Waheed Ahmad, *Story of Punjab*, Islamabad, NDC, 2009, p.17.

17- National Conference on History and Culture, *The World of Islam Today,* Islamabad, NIHCR, 1980, pp.103-104.

۱۸۔ عذرا وقار(مرتبہ)، *تحریک پاکستان اور نوائے وقت منتخب مضامین:۱۹۴۴ء-۱۹۴۷ء*، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، اسلام آباد، ۲۰۰۴ء، ص ص ڈ ز۔

19- Riaz Ahmad, (ed.) Papers Presented at the Four Day International Conference on All India Muslim League (1906-1947), 18-26 December 2006, Volume III, Islamabad, NIHCR, 2007, p.95.

۲۰۔ محمد ایوب خان، *تحریک پاکستان اور جالندھر*، لاہور، اساطیر، ۲۰۰۲ء، ص ۱۶۴۔

۲۱۔ ایضاً، ۲۰۰۲ء، ص ۱۶۵۔

۲۲۔ ایضاً، ۲۰۰۲ء، ص ۱۶۷-۱۶۸۔

۲۳۔ ایضاً، ۲۰۰۲ء، ص ۱۶۸-۱۶۹۔

24- Kishwar Sultana, *Politics of the All India Muslim League 1924-1940,* Karachi, OuP, 2016, p. 183.

۲۵۔ عاشق حسین بٹالوی، *ہماری قومی جدوجہد*،اول، دوم، سوم، چہارم، لاہور، سنگ میل پبلیشرز،

۱۹۹۵، ص ۳۵۶۔

26- Farooq Dar, *Communal Riots in the Punjab 1947*, Islamabad, NIHCR, 2003, p. 4.

۲۷۔ اصغر علی شاہ جعفری، *تاریخ پنجاب*، لاہور، نیو بک پیلس، ت ن، لاہور، ص ۳۷۸۔

۲۸۔ اصغر علی شاہ جعفری، ص ۳۸۰۔

۲۹۔ آئن ٹالبوٹ، تاریخ پنجاب۔ ص۔ ۲۱۷۔

۳۰۔ راجہ عدنان رزاق، *راولپنڈی مسلم لیگ اور ۴۶۔۱۹۴۵ء کے انتخابات*، مجلّہ تاریخ وثقافتِ پاکستان، اپریل۔ستمبر ۲۰۰۸ء، جلد ۱۹۔ شمارہ۔۱۔ شمارہ مسلسل ۔۳۷۔ ص ص۔ ۷۷۔۷۸۔

۳۱۔ اسد سلیم شیخ، *حاکمان پنجاب*، ص ۴۸۶۔

32- Lionel Carter, (compiled & edited), *Punjab Politics 3rd March-31 May 1947,* at the Abyss, Governors' Fortnightly Reports and other Key Documents, (New Delhi, Manohar, 2007), p. 265.

۳۳۔ اسد سلیم شیخ، ص ۴۸۴۔

۳۴۔ سید نور احمد، *مارشل لاء سے مارشل لاء تک*، اپریل ۱۹۱۹ء تا اکتوبر ۱۹۵۸ء، ص ۲۰۵۔

۳۵۔ زوار حسین زیدی، *آل انڈیا مسلم لیگ تنظیم نو اور سیاسی ارتقاء ۱۹۳۷ء-۱۹۴۷ء*، کراچی، قائداعظم اکادمی، ۲۰۰۷، ص ۱۴۔

۳۶۔ صفدر محمود، *پاکستان: مسلم لیگ کا دورِ حکومت*، لاہور غلام علی پبلشرز،۱۹۷۳ء،ص ص ۲۸-۲۹۔

۳۷۔ سید نور احمد، *مارشل لاء سے مارشل لاء تک*، ص ۱۹۴۔

38- Ian Talbot, *Provincial Politics and the Pakistan Movement,* Karachi, OuP, 1988, p. 82.

طاہر کامران، *تاریخ پنجاب*، ص ۹۹۔

۳۹۔ آئن ٹالبوٹ،(ترجمہ: طاہر کامران)*تاریخ پنجاب۱۸۴۹-۱۹۴۷*، لاہور، تخلیقات، ۲۰۰۶، ص ۹۹۔

۴۰۔ اصغر علی شاہ، *تاریخ پنجاب*، ص ۵۱۵۔

۴۱۔ سید محمد عبداللہ، اُردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد۵، ص ۶۵۹۔

۴۲۔ اُردو معارف اسلامیہ، جلد۵،ص۶۶۰۔

43- Amarjit Singh, *Punjab Divided Politics of the Muslim League and Partition 1935 - 1947,* New Delhi, Kanishka Publishers, 2001, p. v.